افسانوی ادب میں سماجی اقدار: کلاسیکی و عصری رجحانات کا تقابلی تناظر

ڈاکٹر فرزانہ کوکب [1]م ڈاکٹر سید اشفاق حسین بخاری**

Abstract:

"Fiction may be considered as multidimensional portrayal of human life with all its richness. It not only reflect realities of everyday social activity but the values of a society. Modern Urdu fiction started with the intentions to change the contemporary social structure and its prevailing values. Moalvi Nazeer Ahmed wanted to reform especially the middle class Muslim society of the subcontinent by mentioning its ills and by the prescription of the steps for its cure. The reformation of the society was a mission of Urdu fiction writers for a few decades when Prem Chand a reformist writer himself adapted a path of critical realism in his later writings in which he portrayal the culture and the characters of his society without any idealism. He exposed real conditions of Indian sociopolitical situation of that time. Other realist writers as Manto, Rajindar Singh Bedi and Ghulam Abbas etc followed the path with their own initiative techniques and subjects. The progressive writers had their own agenda of social realism. They wanted to revolutionize the society from its core, therefore, they try to present alternate social values. But we see that as their contemporary social values were traditional, therefore, the same were reflected in the Urdu fiction of that time. But now we are in 21st century and our society is rapidly changing. Many cultural norms have been transformed due to better economic conditions and better living standards of the new emerging middle class which creates literature and is also its favorite subject. New revolution in information technology has also changed not only the ways of communication but multiple ways of the modern life. Therefore, new Urdu fiction has been changed in portrayal of social issues and also in its style. In this paper a comparative study of these type of Urdu fiction will be made."

Keywords: Fiction, Urdu short stories, social norms, classic & modern trends, criticism, comparative studies

ملخص

افسانے کو پوری زندگی کے ساتھ انسانی زندگی کا کثیر الجہتی نقش سمجھا جاسکتا ہے۔ یہ نہ صرف روزمرہ کی سماجی سرگرمی کی حقیقتوں بلکہ معاشرے کی اقدار کی عکاسی بھی کرتا ہے۔ جدید اردو افسانے کی ابتدا معاصر معاشرتی ڈھانچے اور اس کے مروجہ اقدار کو تبدیل کرنے کے ارادے سے ہوئی۔ مولوی نذیر احمد نے خصوصاً برصغیر کے متوسط مسلم معاشرے کی اصلاح، ان کی خرابیوں کی نشاندہی اور اس کے حل کے اقدامات کے ذریعے کی ہے۔ معاشرے کی اصلاح چند دہائیوں تک اردو افسانہ نگاروں کا ایک مقصد تھا جب پریم چند نے خود ایک اصلاح پسند مصنف کو اپنی بعد کی تحریروں میں تنقیدی حقیقت پسندی کی راہ اپنائی جس میں وہ اپنے معاشرے کی ثقافت اور کردار کو کسی پسندیدگی کے بغیر پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے اس وقت کی ہندوستانی سماجی سیاسی صورتحال کے حقیقی حالات کو بے نقاب کیا۔ دوسرے حقیقت پسند مصنفین جیسے منٹو ، راجندر سنگھ بیدی اور غلام عباس وغیرہ اپنی منفرد تکنیک اور موضوعات کے ساتھ اس راستے پر چل پڑے۔ ترقی پسند مصنفین کا

---

[1]ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان
**صدرِ شعبہ اُردو، قراقرم انٹرنیشنل یونیورسٹی، گلگت

سماجی حقیقت پسندی سے اپنی اپنی دلچسپی ہوتی ہے۔ وہ معاشرے کو اس کے بنیادی اصول سے تبدیل کرنا چاہتے تھے ، لہذا ، وہ متبادل معاشرتی اقدار کو پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ چونکہ ان کی معاصر معاشرتی اقدار روایتی تھیں ، لہذا ، اس وقت کے اردو افسانوں میں بھی وہی روایت جھلکتی دکھائی دیتی ہے۔ لیکن اب ہم اکیسویں صدی میں ہیں اور ہمارا معاشرہ تیزی سے تبدیل ہو رہا ہے۔ بہت سے ثقافتی اصولوں کو بہتر معاشی حالات اور نئے ابھرتے ہوئے متوسط طبقے کے بہتر معیار زندگی کی وجہ سے تبدیل کیا گیا ہے جو ادب تخلیق کرتا ہے اور اس کا پسندیدہ موضوع بھی ہے۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی میں نئے انقلاب نے نہ صرف مواصلات کے طریقوں بلکہ جدید زندگی کے متعدد طریقوں کو بھی بدل کر کے رکھ دیا ہے۔ لہذا ، معاشرتی امور کی تصویر کشی میں اور اس کے انداز میں بھی اردو کے نئے افسانے کو تبدیل ہوتے دیکھا جاسکتا ہے۔ اس مضمون میں اردو افسانے کا اس نوع سے تقابلی مطالعہ کیا جائے گا۔

کلیدی الفاظ: افسانوی ادب، افسانہ، سماجی اقدار، کلاسیکی و عصری رجحانات، تنقید، تقابلی مطالعہ

تبدیلی کا عمل فطرت میں ہر جگہ ہوتا ہے اور جوں جوں انسانی زندگی کی ضروریات وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتی ہیں معاشرے میں موجود قدریں بھی مخصوص تبدیلیوں کی وجہ سے اپنی سطحیں کبھی برقرار رکھ پاتی ہیں اور کبھی کسی اور شکل میں ڈھل جاتی ہیں۔ ادب چونکہ سماج میں تخلیق ہوتا ہے۔ اس لیے وہ سماج میں ہونے والی تبدیلیوں کا اثر قبول کیے بغیر نہیں رہ سکتا چاہے وہ تبدیلیاں سماجی اقدار کی نوعیت کی ہوں یا دیگر ہوں۔ سماجی اقدار کی پیشکش افسانوی ادب میں جس طرح انیسویں صدی اور بیسویں صدی میں نظر آتی ہے۔ اس صورت سے اکیسویں صدی میں دکھائی نہیں دیتی اور ایک نیا ہی منظرنامہ مرتب ہونے لگتا ہے جہاں ٹیکنالوجی کا استعمال اور مشینی دور کی زندگی کا عکس جابجا نظر آتا ہے اور فرد کا وجود کبھی تنہائی کا شکار تو کبھی سوشل میڈیا کی نذر ہوجاتا ہے۔ یہ فرد، مرد ہو یا عورت، اپنی اپنی جگہ مختلف قسم کے نفسیاتی شکنجوں میں جکڑا ہوا ملتا ہے اور ایک الگ الگ دنیا میں منقسم وجود ی کرب کی دُہائی دیتا ہے۔ پریم چند کے افسانوں کی ستی ساوتری فرمانبردار بیوی کا مفہوم یکسر تبدیل ہوجاتا ہے اور سجاد حیدر یلدرم کی رومانوی فضا بھی کسی اور طور سے دکھائی دیتی ہے۔ ہاں البتہ عصمت چغتائی کی سی بے باکی اور حقوقِ نسواں کی خاطر اٹھانے والی آوازوں پر قاری کو کان دھرنا پڑتا ہے اور تانیثیتی نقطۂ نظر کی حامل افسانہ نگاروں کا ایک گروہ بدلتی اقدار اور بدلتے معاشرتی رویوں کا نوحہ پیش کرتا ہوا سامنے آتا ہے۔ جن میں نگار عظیم، ترنم ریاض، مریم تسلیم کیانی اور عذرا نقوی وغیرہ کے نام شامل کیے جاسکتے ہیں۔ نگار عظیم کے ہاں عورت کا وہ رُخ نہیں ملتا جس کو عصمت چغتائی کی شمن کے ساتھ منسوب کیا جاسکے۔ مگر مرد کی نفسیات اور استحصال کا شکار عورت کا کردار ضرور دکھائی دیتا ہے۔ یہاں عورت بطور انسان متعارف ہوتی ہے جو اسی طرح سے جنسی جذبات کی حامل ہے جس طرح ایک مرد ہوتا ہے مگر اس کی سماجی برتری کی وجہ سے اس کے اس اظہار کو معاشرے میں معیوب نہیں گردانا جاتا۔ ایسے سماج میں کھلم کھلا ''مرد'' افسانہ تخلیق کرتی ہیں۔ اس میں زمرد ایک کردار اپنی صنفی انا کی تسکین کے لیے ایک غیرمرد اشرف کو فتح کرنا چاہتی ہے۔ اس لیے وہ اشرف کو نامرد کہہ کر اپنا آخری حربہ بھی آزماتی ہے لیکن اشرف خودضبطی کی قوت سے یہ وار بھی سہہ لیتا ہے۔ اس لیے وہ واقعی مرد تھا۔ مصنفہ نے یہ کہہ کر ایک نازک نفسیاتی گرہ کھول دی ہے۔ کہانی کا انجام مرد کے بارے میں ان کے توانا آدرشی نقطۂ نظر کو واضح کرتا ہے۔ پریم چند نے ''کفن'' اور ''پوس کی رات'' جیسی کہانیوں میں سفاک حقیقت نگاری کا جو انداز برتا ہے وہ نگار عظیم کے افسانوں ''بھوک''، ''زردپتے'' اور ''بیاہ'' میں دیکھا جاسکتا ہے۔ مگر آدرش بیوی کا جو رُوپ پریم چند اور دیگر افسانہ نگاروں کے ہاں ملتا ہے وہ نگار عظیم کے ہاں یکسر تبدیل ہوجاتا ہے۔ اس لیے افسانے ''فرق'' اور ''عکس'' کے لیے ان کو قدامت پسند قارئین کا معتوب ہونا پڑا۔ ''فرق'' میں واحد متکلم کا کردار ایک پُرکشش نوجوان کی طرف کھینچتا

ہے یہ بنیادی طور پر جنسی کشش ہے لیکن وہ شادی شدہ ہے۔ اس لیے وہ اس جذبہ کی اصلیت کو سمجھنے اور ماننے سے منکر رہتی ہے۔ تاہم اس کے اندر ایک کشمکش ضرور ہوتی ہے۔ وہ اس چاہت کو ایک نام بھی دینا چاہتی ہے۔ نتیجتاً آخر میں وہ اس پُرکشش نوجوان کو اپنے کم سن بیٹے کی جوانی قرار دے کر اس جذبے کو ایک تقدس بخشتی ہے۔ نگار نے اس کے علاوہ آج کی نئی پیڑھی کی لڑکی کی سرکشی، بے باکی، خود آگہی اور خوداعتمادی کی تصویریں بھی بڑی جرات سے دکھائی ہیں۔ اپنے افسانے ''بیاہ'' میں وہ بتاتی ہیں کہ سماج کی کون کون سی قوتیں ''ہرنی'' کو طوائف بننے پر مجبور کرتی ہیں۔ ان کے دوسرے دو افسانے ''ریڈلائٹ'' اور ''روشنی'' بھی بدلتی اقدار اور معاشرے کے بدلتے تقاضوں کی واضح تصویر دکھاتے ہیں جہاں جہیز کے حصول کے لیے لوگ طرح طرح کی حرکتیں اور ہتھکنڈے اپناتے ہیں۔ ''روشنی'' کی سنیتا کو جب جہیز کے لالچی بر ملتے ہیں تو وہ مایوس ہوجاتی ہے۔ مایوسی کے اندھیروں میں خدمتِ خلق کا جذبہ روشنی کی ایک کرن کی طرح نمودار ہوتا ہے اور اسے بھی بڑی تسلی دیتا ہے۔(۱)

عصرِ حاضر میں فرد کا رشتہ، خاندان سے کٹ کر رہ گیا ہے اور بھاگ دوڑ کی اس زندگی نے اس کے وجود کو تنہائی کے جو کاری زخم دیے ہیں ان کا اندازہ آج کا ہر فرد اپنے طور پر بہتر طریقے سے لگا سکتا ہے جو وقت کی چلتی سوئی کے ساتھ دوڑنے کا عادی ہے۔ اسی اثناء میں غضنفر جیسے افسانہ نگار ''حیرت فروش'' کے عنوان سے افسانوی مجموعہ لیے اردو افسانوی ادب میں داخل ہوتے ہیں اور اپنے علامتی اور استعاراتی طرزِ بیان سے معاشرے میں موجود فرد کے کھوکھلے وجود اور بدلتی ہوئی قدروں کو متعارف کروانے میں کامیاب ہوتے ہیں۔(۲) غضنفر کی کہانیوں کی تہہ داری جس بات کی غمازی کرتی ہے اور جو موضوعات وہ افسانوی ادب میں شامل کرتا ہے۔ وہ یکسر نئے ہیں۔ علامتی اور استعاراتی طرزِ اظہار انتظار حسین، انور سجاد کے ہاں بھی دکھائی دیتا ہے۔ وہاں بھی فرد کے وجود اور سماجی قدروں کے تغیر و تبدل کا رجحان کارفرما ہے مگر یہاں بھی پرانی نسل عالمِ اضطراب میں ہے اور معاشرے کے دوسرے افراد کی روح میں منقلب یا مخالف رویہ پنپ رہی ہے۔ غضنفر کی کہانیاں علامتی اس عنوان سے ہیں کہ عہدِ رواں کی سطح پر شکست و ریخت کا مظہر بن جاتی ہیں۔ اس آئینہ میں جو غضنفر پیش کرتا ہے ہم بخوبی دیکھ سکتے ہیں کہ فرد، خاندان یا معاشرہ چند برسوں پہلے جیسا بھی نہیں رہ گیا ہے بلکہ پلٹ سا گیا ہے۔ ''مسنگ مین'' افسانے کا عنوان چند دوسری کہانیوں کی طرح علامتی ہے۔ کہانی میں رنگوں کی ذیلی علامت میں اپنے مکان کی دیواروں پر اپنے پسندیدہ رنگ کے چڑھوانے کا مسئلہ ہے۔(۳) اپنے رنگ کے برتاؤ کا تعلق اس شخص سے ہے جس کا وجود تمام جدوجہد کے باوجود نسلوں کے درمیان پس کر معدوم ہوگیا ہے۔ یہ دور حاضر کی نئی صورتحال ہے۔ کہانی اس تھیم کے ذریعے نہیں بنتی بلکہ کہانی کا بیانیہ کہانی کو بناتا ہے۔ بچوں اور بیوی کا واحد متکلم (جو دو نسلوں کے درمیان کا شخص ہے) اس کے پسندیدہ رنگ پر اعتراض ہے۔ اور ضد میں آکر اس کے رنگ پر اپنا رنگ چڑھوانا، پھر فوراً ہی رنگ کے تاثر سے بے تعلق ہو کر دوسرے کمرے میں ٹی وی دیکھنا درمیانے مسنگ مین کی پسپائی کا اشارہ ہے۔ بیوی بچے رہ گئے ہیں مگر وہ آدمی مع اپنی ضروریات اور خواہشات کے ناپید سا ہوگیا ہے جس نے خود اپنے باپ والی نسل کی حقیقتاً بے جا باتوں کو برداشت کرنے اور پھر اپنے بعد والی نسل کو ترقی دینے میں اپنے آپ کو کھپا دیا ہے۔ گویا اس درمیانی نسل نے تاریخ کو آگے بڑھانے کی سعی کی ہے مگر خود اسے بے زاری، بے توجہی اور بے سلوکی کے مسئلہ سے نجات حاصل نہیں، وقت نے اسے معدوم کردیا ہے۔ ان کا دوسرا افسانہ ''پنڈولم'' بھی پرانی نسل اور نئی نسل کے حقیقی حالات کے تقابل کا واضح رُخ پیش کرتا ہے۔

سماجی تبدیلیوں اور نت نئی اشیاء کی آمد اور ان کے معاشرے پر اثرات کا ایک اور بیانیہ ''انجم عثمانی'' کی کہانیوں میں ملتا ہے جو واقعیت اور معاشرتی صداقت سے گھٹی ہوئی کہانیاں لکھتے ہیں۔ اس دنیا میں کبھی داخل ہونے کی کوشش نہیں کرتے جو انہوں نے دیکھی نہ ہو کمرشل قدر کے وفور یا صارفیت کی یلغار کی پیشکش تو عصرِ حاضر کے افسانہ نگاروں کے ہاں موجود ہے مگر ثقافتی وجود

میں دراڑ کی جھلکیاں انجم عثمانی کے ہاں ملتی ہیں۔ ان کا چھوٹا سا گوشہ اسی مسلمان معاشرے کا دھڑکتا ہوا دل ہے جہاں کا سماج اپنی اقدار و روایات سے یکسر جدا ہورہا تھا۔ ان کے افسانے ''گمشدہ تسبیح'' اور ''چھوٹی اینٹ کا مکان'' اسی طرز کی کہانیاں ہیں۔ سبز تسبیح کا کھوجانا دراصل ان اقدار کا معدوم ہونا ہے جن سے معاشروں کی ثقافتی پہچان وابستہ ہے۔ اسی طرح ایک اور کہانی ''منظر ابھی نہیں بدلا'' میں منظر اور منظر کے درمیان نہ جانے کتنی علمی اور ثقافتی قدریں تباہ و برباد ہوگئیں۔ ان کا افسانہ چھوٹی اینٹ کا مکان بدلتی ہوئی اقدار کاایک خوبصورت منظر نامہ پیش کرتا ہے:

> ''ہم نے پھر اس دنیا کی طرف پلٹ کر نہیں دیکھا جہاں دو بوڑھی ہوتی ہوئی آنکھیں ہماری راہ تک رہی تھیں جہاں مدرسہ اور چھوٹی اینٹ کا مکان ہمارے سہارے کے منتظر تھے جہاں ختم ہوتی ہوئی قدریں فریاد کررہی تھیں کہ ہمیں یوں اپنے سے الگ نہ کرو ہم نے صدیوں تمہارا ساتھ نبھایا ہے تمہارے پرکھوں نے ہم کو اپنے خون سے سینچا ہے ہمیں یوں پامال کرکے نہ جاؤ۔''(۴)

فرد کے وجودی کرب اور کھوئی ہوئی اقدار کی تلاش کا نوحہ ناسٹلجیا کی صورت میں انتظار حسین نے بھی اپنے افسانوں میں سمویا۔ مگر مابعدجدیدیت جو آج کے عہد کی آواز بن چکی ہے اور اس کی دین نے جو معاشرے میں تغیر پیدا کیا اور ہر فرد کو یہ کہنا پڑا کہ ہم مابعدجدید عہد میں زندہ ہیں۔ اس کا واحد اور موثر اظہار ''شموئل احمد'' اور ''مشرف ذوقی'' کے ہاں نمایاں نظر آتا ہے۔ جو بدلتی قدرو، رویوں اور معاشرتی مسائل کو مابعد جدید تناظر سے اپنے افسانوں میں جگہ دیتے ہیں۔ شموئل احمد کے افسانوں کے موضوعات بدلتی ہوئی روایات و اقدار کے ساتھ ساتھ عصرِ حاضر کی ٹیکنالوجی سے پیدا مسائل اور سوشل میڈیا کے وافر استعمال سے عبارت ہیں۔ جنسی ہیجان انگیزی کا پہلو جو معاشرے میں بکھرا ہوا ہے۔ اس تک رسائی بھی شموئل احمد کے افسانوں میں ہوتی ہے اور جنس ایک بڑا موضوع بن جاتی ہے۔ جنس اور اس سے متعلقہ لوازم طوائف کی صورت میں یا دیگر صورتوں میں منٹو کے افسانوں میں بھی نمایاں ملتے ہیں اور عصمت چغتائی کے ہاں بھی۔ مگر یہاں صورتحال یکسر تبدیل ہوچکی ہے اور جنسی لذت کے حصول کا واحد ذریعہ صرف طوائف نہیں بلکہ اس کی جگہ سوشل میڈیا پر ہونے والی سیکس چیٹنگ (sex chatting) لے چکی ہے اور دوسری قسم کے مختلف رویے فروغ پاچکے ہیں۔ اس معاشرتی برائی میں صرف نوجوان افراد نہیں بلکہ شادی شدہ جوڑے بھی بُری طرح جکڑے ہوئے ملتے ہیں اور چاروں اطراف جنس اور اس سے وابستہ معاملات کا پورا ایک کاروبار نظر آتا ہے جس کے لیے کسی ایک فرد کو طوائف کے اڈے تک جانے کی بھی ضرورت نہیں بلکہ گھر بیٹھے سوشل میڈیا کے سہارے وہ اپنی جنسی تسکین کا تمام سامان، انگلیوں کی پوروں سے حاصل کرچکا ہے۔ شموئل احمد کی کہانی ''عنکبوت'' ایک ایسی ہی کہانی ہے جو (sex chatting) اور cheaters کا ایک معنی خیز بیانیہ پیش کرتی ہے جس میں میاں بیوی Fake اکاؤنٹ سے ایک دوسرے کو اپنی جنسی رغبتوں کے متعلق آگاہ کرتے ہیں اور افسانے کا اختتام قاری اور افسانے کے کردار اصلاح الدین انصاری دونوں کو چونکا دیتا ہے کیونکہ جس کے لیے وہ بیوی کو نظر انداز کرکے دوسرے کمرے میں کمپیوٹر نجمہ کے online ہونے کے انتظار میں ہوتا ہے۔ وہ نجمہ کوئی اور نہیں بلکہ اس کی اپنی بیوی ہوتی ہے جو دوسرے کمرے میں موجود اسی کام میں مشغول ہوتی ہے جس میں اس کا شوہر ہے۔ شموئل احمد کے افسانے نے عصرِ حاضر کے مرد اور عورت کو جس طرح پیش کرتے ہیں وہ بیسویں صدی کے مرد اور عورت سے بالکل مختلف ہے۔ اور قدروں کا تعین بھی ان کے رویوں، مصروفیات اور رجحانات سے ہوتا ہے۔ شموئل احمد کا دوسرا افسانہ ''سراب''بظاہر دیہی اور شہری زندگی کے تفاوت کو نمایاں کرتا ہے مگر اس میں موجود کردار مادہ پرست دنیا کی رنگینی اور اس سے جنم لینے والے ازدواجی رشتوں کی تلخیوں کے حقائق کو پیش کرتے ہیں۔ دیہاتوں کا خالص پن اور دیہات کی محبتوں کا عکس یہ واضح کرتا ہے کہ طبقاتی تقسیم اور رسم و رواج میں گندھے ہوئے لوگ اپنی اصل شخصیت اور چاہتوں کو فراموش کرکے کس قسم کی ازدواجی زندگی گزارتے ہیں۔ ایسی زندگی جس میں خوشی کا عنصر تاحیات مفقود رہتا ہے۔(۵)

مٹتی ہوئی تہذیب اور بدلتی معاشرتی صورتحال کا ایک اور رُخ مابعد جدید افسانہ نگار مشرف عالم ذوقی کے ہاں، ان کے افسانوں میں نظر آتا ہے۔ جہاں طوائفوں کے کوٹھے اور اڈے تہذیب و تمدن کا مرکز سمجھے جاتے تھے اور پھر ان کی صورتحال جسم فروشی میں تبدیل ہوگئی وہیں اب ان کی ایک اور بدلتی ہوئی تصویر کا عکس مشرف عالم ذوقی نے اپنے افسانے ''بازار طوائف اور کنڈوم'' میں پیش کیا ہے۔ یہ افسانہ قاری اور واحد متکلم کے کردار کو ایک ایسے جہان میں چھوڑ دیتا ہے جہاں ہر شے بدل چکی ہے۔ وہ منظر نامہ جو انیسویں یا بیسویں صدی میں تھاوہ یکسر تبدیل ہوچکا ہے۔ اور ان تبدیلیوں سے گزر کر کسی اور شاہراہ پر اپنے قدم جما چکا ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے:

''پہلے بازار اس طرح نہیں پھیلا تھا-- پہلے گلیاں اتنی تنگ نہیں تھیں۔ سڑک پر آدمی آرام سے گزر سکتا تھا۔ آج کی طرح نہیں کہ پیچھے سے آنے والی بھیڑ آہستہ آہستہ آپ کو آگے کی جانب دھکادے رہی ہے--- دیسی چیزیں ملا کرتی تھیں اس بار بازار میں غیرملکی اشیاء کی باڑھ آئی ہوئی تھی--- پہلے وہ اس دھندے میں دلّا کہلاتا تھا--- اسے تعجب اسی بات پر تھا بازار کے ساتھ دلّا بھی بدل گیا تھا اور اس کے طور طریقے بھی دلّا سفاری سوٹ میں تھا---''(۶)

آج کے عہد میں جہاں مرد کا کردار تبدیل ہوا وہاں عورت کے ہاں بے باکی کا عنصر بھی در آیا۔ ایسا نہیں کہ بیسویں صدی کی عورت بے باک نہیں تھی یا بطور تخلیق کار بے باک نہیں تھی بلکہ بدلتے رجحانات کا اثر اس قدر نہیں تھا۔ عصمت چغتائی کے بعد افسانوی ادب میں خواتین افسانہ نگار اس بے باکی سے لکھتی ہوئی نظر نہیں آتیں مگر عہدِحاضر کی افسانہ نگار اور آرٹسٹ خالصتاً نسائی جذبوں کی ترجمانی کرتی مریم تسلیم کیانی افسانوی ادب میں متعارف ہوتی ہیں اور گھریلو عورتوں کے معاملات سے لے کر ہر سطح کی عورت کے جذبات کی ترجمانی کرتی ہیں۔ کبھی اپنی نظموں کے ذریعے اور کبھی افسانوں کی صورت میں مریم جنس کے متعلق خالص نسوانی زاویے سے رنگ پیش کرتی ہیں۔ وہ رنگ اور وہ تلخیاں جن کا شکار آج کی عورت ہے اور جس طرح ماحول بدلا اسی طرح سے سوچنے سمجھنے کے نظریات بھی تبدیل ہوچکے ہیں۔

افسانہ ''باتیں کریں'' کا نیاز صدیقی جوبرماٹیک کی کرسی پر بیٹھ کر لکھاکرتا تھا۔اس کی سٹڈی ٹیبل پر صرف کاغذ اور قلم رکھے ہوتے تھے۔لیکن جب سے ان کی جگہ لیپ ٹاپ رکھا گیا توفراغت کے لمحات اسے بہت رنگین لگنے لگے۔ سوشل میڈیا پر اس کاادبی حلقہ وسیع ہوتا گیا۔اور ان میں نوخیز قلم کار لڑکیوں کی تعداد میں آئے دن اضافہ ہوتا گیا۔ان میں ایک دو خواتین ایسی بھی تھیں جو اس کے دیگر دوستوں سے بھی بیک وقت دوستی اور محبت کی پینگیں بڑھا رہی تھیں۔اس ساری ادبی اور دوستانہ ''مصروفیت'' میں اس کے پاس اپنے گھر،بیوی اور بچوں کیلئے وقت ہی نہ بچتا لیکن پھر اسے علم ہی نہ ہوا کہ صدف نامی ایک خاتون نے اس کو اپنی خوبصورت اور پرفریب باتوں کے جال میں ایسا پھنسایا کہ ''آپ اپنے دام میں صیاد آگیا'' اور وہ خاتون کوئی اور نہیں اس کی اپنی بیوی تھی:

''نیاز صدیقی رات کو حسب عادت اسٹڈی روم میں اپنے لیپ ٹاپ پر فیس بک پر صدف کے میسج کا منتظر تھا۔

بیڈروم میں بیوی نے ہنستے ہوئے نیاز صدیقی کو میسج کیا۔

'' آؤ باتیں کریں۔''(۷)

مایا مریم کا افسانہ ''بے ادب سہیلیاں'' جس کا عنوان بدل کر ''نیا دریچہ'' رکھ دیا گیا۔ اس میں مختلف قسم کی شادی شدہ عورتیں اپنے گھریلو مسائل کے ساتھ ساتھ اپنی ازدواجی زندگی کی رنگینیاں اور تلخیاں ایک دوسرے سے بانٹتی ہیں۔ یہاں جبلتوں کا ایک بیانیہ بھی ہے اور ناآسودہ خواہشات اور تلخ حقائق کا ایک انبار بھی۔ محبت کے کچوکے سہتے خواتین کے کردار اور کاری زخموں کی داستان سُناتے، سرد آہیں بھرتی بیویاں اپنے جنسی اور ازدواجی معاملات پر کھلم کھلا اظہار کرتی ہیں۔ جنسی معاملات پر نسائی زبان میں بے لاگ تبصرہ کہانی کو جاندار بناتا ہے اور مایا مریم کی بے باکی کا خوبصورت مظہر ہے جو عورت کے جنسی جذبوں کو زبان دینے میں کامیاب ہوئی ہیں۔ ایسا رویہ ہمیں

فہمیدہ ریاض کی شاعری میں کارفرما ملتا ہے۔ مگر مریم کے ہاں افسانے کی صورت میں جو بے لاگ تبصرہ نظر آتا ہے۔ اس کی ایک جھلک دیکھئے:

''یار مجھے بھی کچھ بتادو۔۔۔ میرا میاں تو مجھے کہتا ہے کہ اب تم بوڑھی ہوگئی اوربس بچے دیکھو۔ یہ ہی زندگی ہے۔۔۔ یا ہر وقت اللہ اللہ کرو یا میرے پاؤں دھو کر پیؤ کتے کی نسل۔۔۔ مجھے بھی بتا دو کس کے پاس گئی تھیں، عمل کروانے۔۔۔؟ پاگل عمل کروانے کسی کے پاس نہیں جانا پڑتا۔ خود کرنا پڑتا ہے۔۔۔ تم گو گل پر سرچ کرنا بس۔ ''اف وہ گندی حرکتیں''۔۔۔۔۔ ویسے مردوں کے اپنے مسائل بہت ہوتے ہیں یار۔ خاص کر خاص وقت کے مسائل میں نے تو اسی کو ہتھیار بنایا ہوا ہے۔ اس کے بعد تو میرا میاں، میرے لئے انسان بنا ہے۔''(۸)

شموئیل احمد کے افسانہ ''عنکبوت'' کے صلاح الدین پر انکشاف ہوتا ہے کہ کسی بھی یوٹیوب سائیٹ کے چیٹنگ روم کا مطلب ''سائبر سیکس'' ہے تو وہ فیک آئی ڈی کے ساتھ نئے نئے پاٹنرز کے ساتھ اس جدید دور کے ''جنسی کھیل'' کے نشے میں غرق ہوجاتا ہے لیکن پھر ایک دن اس انکشاف سے اس کا سارا نشہ ہرن ہوجاتا ہے بلکہ وہ صدمہ سے تقریبا ''نیم پاگل ہوجاتا ہے کہ اس کی سیدھی سادھی گھریلو بیوی نجمہ بھی ''بیوٹی ان چین'' کے نام سے فیک آئی ڈی بنا کر ''سائبر سیکس'' کی اس دنیا میں شامل ہوچکی ہے۔

''آر یو سنگل۔؟''

''آئی ایم ہاؤس وائف۔!''

''یور ہسبنڈ۔؟''

''مسٹ بی چَیٹنگ سم وہیر۔۔۔''

بیوٹی ان چین بھی کھلاڑی نظر آئی۔''(۹)

مختصر یہ کہ جو بیانیے اور رجحانات پچھلی صدی میں افسانہ نگاروں کے ہاں نظر آتے تھے۔ ان کی شکل تبدیل ہوچکی ہے اور وہ تمام سماجی قدریں بھی یکسر منہدم ہوگئیں جن کا پرچار بیسویں صدی کے افسانہ نگاروں کے ہاں ملتا ہے۔ اب اقدار کا رُخ بدلتے تقاضوں کے ساتھ بدل چکا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ نگار عظیم، **عکس** ،نئی دہلی: جامعہ نگر اوکھلا، ۱۹۹۰ء،ص۹۱
۲۔ غضنفر، **حیرت فروش**،دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۶ء،ص۸۷
۳۔ آصف ابرار، محمد انور(مرتبین)، **غضنفر: اردو فکشن کی ایک معتبر آواز**،پٹنہ: عصری سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء،ص۸۱
۴۔ انجم عثمانی، **ٹھہرے ہوئے لوگ**،نئی دہلی: تخلیق کار پبلشرز، دریا گنج، ۱۹۹۸ء، ص۷
۵۔ شموئل احمد ، **عنکبوت** ،دہلی: عفیف آفسیٹ پرنٹس، ۲۰۱۰ء،ص۳۹
۶۔ ذوقی، مشرف عالم، **ایک انجانے خوف کی ریہرسل**،دہلی: عرشیہ پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص۲۵۰
۷۔ مریم تسلیم کیانی، باتیں کریں(افسانہ) http://urdu.website/archives/2506?amp=1 (بوقت ۲۹:۲۲، بتاریخ ۱۱فروری ۲۰۲۱ء)
۸۔ مریم تسلیم کیانی، بے ادب سہیلیاں (افسانہ)-http://penslipmagazine.com/urdu/maya-maryam-bey-adab-sahailyan/(بوقت ۰۱:۲۱، بتاریخ ۱۱فروری ۲۰۲۱ء)
۹۔ شموئل احمد ، **عنکبوت**، ص۲۲